وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ

اِرْشَادُ الْقَارِی

اِلٰی

صَحِیْحِ الْبُخَارِی

تالیف

مفتی اعظم حضرت اقدس مولانا مفتی رشید احمد رحمہ اللہ تعالیٰ

الحجاز کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ﴾

ارشاد القاری
إلى
صحیح البخاری

تالیف

حضرت اقدس مفتی اعظم شیخ الحدیث مولانا مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

باہتمام: حضرت مولانا قاسم صاحب دامت برکاتہم العالیہ

سن طبع ۱۴۳۴ھ

ناشر .... الحجاز کراچی

مطبع .... العامر پریس 0321-2382266

ملنے کا پتہ: مکتبۃ الخلیج

دکان نمبر 11، سلام کتب مارکیٹ، نزد جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن، کراچی۔ 0314-2139797

تذکرۃ الکتاب

از مولانا محمد تقی عثمانی مدیر البلاغ واستاذ حدیث دار العلوم کراچی

ارشاد القاری حضرت مؤلف دامت برکاتہم کے درس بخاری کی تقاریر کا مجموعہ ہے۔ مؤلف موصوف نے کئی سال مسلسل مختلف دینی مدارس اور بالآخر دار العلوم کراچی میں صحیح بخاری کا درس دیا ہے۔ خود راقم الحروف نے بھی صحیح بخاری آپ ہی سے پڑھی ہے، اس درس کے دوران کچھ یادداشتیں خود حضرت مؤلف مدظلہم نے بھی مرتب فرمائی تھیں اور بعض طلباء نے آپ کی تمام تقاریر کو ضبط بھی کیا تھا، ان تمام مجموعوں کو سامنے رکھ کر فاضل مؤلف نے یہ کتاب مرتب فرمائی ہے اور تمام حوالوں کی از سر نو تحقیق فرما کر اسے نہایت مستند اور محقق بنا دیا ہے۔

زیر نظر کتاب میں شروع کے پچپن صفحات علم حدیث پر ایک نہایت مفید مقدمہ کی حیثیت رکھتے ہیں خاص طور سے حجیتِ حدیث پر جو بحث اس میں آگئی ہے وہ اپنے اصول تجزیہ، مستحکم دلائل اور ٹھوس معلومات کے لحاظ سے اپنے موضوع پر ایک منفرد چیز ہے۔

کتاب کا باقی حصہ کتاب الایمان اور کتاب العلم تک کی تشریح و توضیح اور اس سے متعلق فقہ، حدیث، تصوف اور کلام کے نہایت گراں قدر مباحث پر مشتمل ہے۔ فاضل مؤلف کے اسلوب میں وسعت سے زیادہ عمق پایا جاتا ہے، اس لیے کتاب میں بعض طویل الذیل مباحث کو نہایت دلنشین اختصار کے ساتھ سمو دیا گیا ہے۔ مختصر یہ کہ ان تقاریر میں اکابر علماء دیوبند کی ایک جھلک دیکھی جاسکتی ہے۔ بحیثیت مجموعی علماء اور طلبہ دونوں کے لیے یہ کتاب نہایت مفید ہے، اور بعض ایسے نکات و مباحث پر مشتمل ہے جو صحیح بخاری کی عام شروح اور امالی میں نہیں ملتے۔

محمد تقی عثمانی

البلاغ ذی الحجہ سنہ ۱۳۸۹ھ

الاصول ان النهی عن الافعال الشرعية تستدعی مشروعيتها فی الجملة والا لم يكن للنهی معنیً واما الفرض فلا يصح فيها بصفة الفرضية بل ينقلب نفلا لان النهی عن الصلوٰة فی هذه الاوقات انما تستدی المشروعية فی الجملة لا علی صفة الكمال ويكفی لها الصحة نفلًا كما لا يخفی لانه من ادنیٰ مراتب الصحة والضروری انما يتقدر بقدر الضرورة وقد صرح فقهاء نا رحمهم الله تعالیٰ بانقلاب فرض الفجر نفلاً بطلوع الشمس من غير فساده كما فی الدر المختار اٰخر باب الاستخلاف (ص ۶۳۷ ج ۱)

واورد الحافظ فی الفتح علينا فقال وفيه ای فی قوله فان هذا منزل حضرنا فيه الشيطان رد علی من زعم ان العلة فيه كون ذٰلک وقت الكراهة بل فی حديث الباب انهم لم يستيقظوا حی وجد واحر الشمس ولمسلم من حديث ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه حتی ضربتهم الشمس وذٰلک لايكون الا بعد ان يذهب وقت الكراهة اھ (ص ۳۸۰ ج ۱)

قلنا لا دليل فيه علی الارتفاع قبل الاستيقاظ اذ يحتمل ان تكون طلعت بحرارتها كما هو موجود بالحجاز فی حرها الی الاٰن كذا فی المعتصر من المختصر (ص ۴۵) ولا بد من هذا التأويل فقد روی عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما ما يدل علی استيقاظه قبل الارتفاع اخرج النسائی بسند حسن وسكت عنه قال ادلج رسول الله صلی الله عليه وسلم ثم عرس فلم يستيقظ حتی طلعت الشمس او بعضها فلم يصل حتی ارتفعت الشمس فصلی الحديث. (ص ۱۰۲ ج ۱)

تفاضل انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام

عام طور پر واعظین کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تفضیل دوسرے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر بیان کرتے ہیں اور اس میں ایسی چیزیں بیان کرتے ہیں جو فی نفسہ غلط ہیں اور اگر کوئی چیز صحیح بھی تسلیم کر لی جائے تو بھی اس طریقہ سے فضیلت بیان کرنا جو دوسرے نبی کی تنقیص پر شامل ہو جائز نہیں۔

اس بارے میں بظاہر احادیث متعارض نظر آتی ہیں۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا تخيرونی علی الانبياء اور فرمایا لا تقولوا انا خير من يونس بن متی حالانکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد مقامات پر اپنی فضیلت بیان فرمائی چنانچہ فرماتے ہیں "انا سيد ولد اٰدم ولا فخر." اور فرمایا "انا صاحب اللواء يوم

القیامة وادم تحت لوائی." اورفرمایا "انا کنت نبیا وادم بین الماء والطین." حدیث شفاعت میں بھی آپ نے اپنی فضیلت سب انبیاء علیہم السلام پر بیان فرمائی۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک قصیدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پڑھا جس میں آپ کو سب انبیاء علیہم السلام پر فضیلت دی گئی ہے۔ مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس قصیدہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

ز جودش گر نبودے راہ مفتوح
بجودی کے رسیدے کشتی نوح

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قصیدہ پر انکار نہیں فرمایا۔

ان روایات متعارضہ میں وجہ تطبیق یہ ہے کہ طرز بیان اگر ایسا ہے کہ وہ کسی نبی کی تنقیص کا موہم نہ ہو تو جائز ہے اور جہاں ایک نبی کا دوسرے نبی سے مقابلہ کر کے ایک کو ترجیح دی جائے چونکہ اس میں دوسرے نبی کی تنقیص ہوتی ہے اس لیے جائز نہیں۔ جن مواقع پر آپ نے اپنی تفضیل سے منع فرمایا ہے وہ ایسے ہی تقابل کے مواضع تھے۔ چنانچہ لا تخیرونی علی الانبیاء اُس وقت فرمایا جبکہ ایک یہودی کا مسلمان سے جھگڑا ہوا۔ مسلمان نے کہا واللہ اصطفی محمدا صلی اللہ علیہ وسلم علی العلمین اور یہودی نے کہا واللہ الذی اصطفیٰ موسیٰ علیہ السلام علی العلمین تو اس مسلمان نے یہودی کو طمانچہ مار کر کہا علی محمد ایضًا؟ وہ یہودی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت لے کر آیا آپ نے سارا واقعہ سنا تو فرمایا لا تخیرونی علی الانبیاء.

غرضیکہ جہاں دو نبیوں میں تقابل ہو رہا ہو جس میں ایک کی تفضیل دوسرے کی تنقیض کو مستلزم ہو تو اس قسم کی تفضیل سے منع فرمایا۔

واعظین عموماً مندرجہ ذیل وجوہ فضیلت بیان کرتے ہیں:

① حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ اس لیے کہ موسیٰ علیہ السلام نے پتھر پر لاٹھی مار کر پانی نکالا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے پانی نکلا جبکہ آپ نے ایک پیالہ میں ہاتھ ڈالا تو پانی کا فوارہ پھوٹ پڑا۔ پتھر سے پانی نکلنا کچھ بعید نہیں پتھروں سے تو چشمے نکلتے ہی ہیں انگلیوں سے یعنی انسان کی ہڈی اور گوشت سے چشمہ جاری ہو جانا یہ بڑا کمال ہے۔

② کوہ طور پر اللہ تعالیٰ کی تجلی دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہو گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم عرش پر تشریف

لے گئے اور بلا حجاب اللہ تعالیٰ کو دیکھا مگر بیہوش نہیں ہوئے۔

③ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر جا رہے تھے کہ فرعون کے لشکر نے تعاقب کیا۔ بنی اسرائیل نے جب دیکھا کہ سامنے دریائے نیل ہے اور پیچھے فرعون کا لشکر ہے تو گھبرائے۔ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ﴿ان معی ربی سیهدین﴾ اس کلام میں ایک نقص تو یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے نفس کو لفظ رب پر مقدم کیا اور دوسرا یہ کہ رب کی معیت صرف اپنے ساتھ بیان کی اور قوم کو چھوڑ دیا۔ اس کے برعکس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غار ثور میں صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جواب میں فرمایا ﴿لا تحزن ان الله معنا﴾ اس میں اللہ کے لفظ کو مقدم فرمایا اور معنا کہہ کر معیت الٰہیہ کو عام رکھا صرف اپنے ساتھ مختص نہیں کیا۔

④ حضرت نوح علیہ السلام نے بددعا کر کے ساری قوم کو غرق کرا دیا۔ اس کے برعکس طائف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے کہ اگر حکم ہو تو میں ان لوگوں کو ان دو پہاڑوں کے درمیان کچل دوں۔ آپ نے فرمایا کہ میں رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

یہ وجوہ ترجیح اگر صحیح ہوتیں تو بھی ان کا اس طریقہ سے بیان کرنا جائز نہ ہوتا۔ اس لیے کہ اس میں دوسرے انبیا علیہم الصلوٰۃ السلام کی تنقیص ہے۔ ایک بھائی کی تعریف یوں کی جائے کہ وہ اس کے دوسرے بھائی کی تنقیص کو متضمن ہو تو باعثِ مسرت ہونے کی بجائے غیظ وغضب کا سبب ہوتی ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ یہ وجوہ فضیلت جو اوپر بیان گئی ہیں فی نفسہ غلط ہیں۔

① اس میں موسیٰ علیہ السلام کی بھی تنقیص ہے اور ساتھ ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی تنقیص ہے موسیٰ علیہ السلام کی تنقیص تو ظاہر ہے کہ وہ معجزہ جسے اللہ تعالیٰ نے بار بار بطور امتنان ذکر فرمایا ہو اس کے متعلق یہ کہہ دینا کہ "کوئی بڑی بات نہیں"، کتنی بڑی جرأت ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص یوں ہے کہ کسی روایت سے یہ ثابت نہیں کہ آپ کی انگلیوں سے پانی نکلا بلکہ حقیقت اس واقعہ کی یوں ہے کہ آپ نے پانی میں ہاتھ رکھا جس کی برکت سے وہ پانی زیادہ ہو گیا اور انگلیوں کے درمیان سے اُبھرتا نظر آ رہا تھا۔ ایک معجزہ کا دعوے کر کے اسے ثابت نہ کر سکنا موجبِ تنقیص ہے۔ لہٰذا یہ وجہ ترجیح وتفضیل دوستیِ نادان کی حیثیت رکھتی ہے۔

② گھر میں بیٹھ کر کوئی بات کر لینا سہل ہے۔ کمال تو یہ ہے کہ خصم کے سامنے بات کریں غور کیجیے! کہ اگر ہم

یہی وجہ ترجیح کسی یہودی کے سامنے بیان کریں اور وہ جواب میں یوں کہہ دے کہ ہمارا نبی تو اللہ تعالیٰ کو دیکھ کر بیہوش ہوا اور تمھارا نبی ایک دفعہ جبرئیل علیہ السلام کو دیکھ کر بیہوش ہوگیا تو ہمارے پاس سوائے ندامت کے اس کا کیا جواب ہوگا؟

حقیقت یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو تجلی عالم دنیا میں ہوئی تھی اور عالمِ دنیا کے قویٰ ضعیف ہیں جو تجلی الٰہی کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جبرئیل علیہ السلام کو دیکھ کر بیہوش ہو جانا اسی وجہ سے تھا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب معراج پر تشریف لے گئے تو آپ کو وہاں کے حالات دکھانے کے لیے اس عالم کے مناسب قویٰ عنایت کر دیے گئے تھے۔ چنانچہ معراج سے قبل آپ کا شق صدر اور غسل بماء زمزم اسی لیے کیا گیا تھا کہ آپ میں عالمِ اعلیٰ کی قوت پیدا ہو جائے۔ لہٰذا ایک عالم کو دوسرے پر قیاس کرنا جہالت ہے۔

پھر قصۂ معراج میں عرش سے تجاوز کر جانا وغیرہ بہت سی خرافات ایسی بیان کی جاتی ہیں جو اصول شریعت کے خلاف ہیں۔ اور رؤیت باری تعالیٰ میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اختلاف ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں **من زعم انه رایٰ ربه فقد اعظم علی اللّٰه الفرية.** اگرچہ قول رؤیت راجح ہے۔

(۳) یہ ایسی غلطی ہے کہ اس میں بعض مصنفین بھی مبتلا ہو گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور موسیٰ علیہ السلام دونوں کا کلام اپنی اپنی جگہ بلاغت کے اعلیٰ معیار پر ہے اور اپنے اپنے مواقع ومحل کے عین مناسب ہے۔ اگر موسیٰ علیہ السلام ''ان اللہ معنا'' فرماتے تو کلام میں بلاغت نہ رہتی۔ اسی طرح اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ''انی معی ربی'' فرماتے تو موقع کے غیر مناسب ہونے کی وجہ سے کلام بلیغ نہ رہتا۔

تعجب ہے علامہ تفتازانی پر کہ فنِ فصاحت وبلاغت میں تصنیف کر رہے ہیں اور اسی میں غلطی کر رہے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو کلام موسیٰ علیہ السلام پر ترجیح دے رہے ہیں۔ غالباً یہ غلطی علامہ بیضاوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی ہوئی ہے۔

اب ذرا تفصیل ملاحظہ ہو جس سے ثابت ہوگا کہ ہر نبی کا کلام اپنے موقع میں نہایت بلیغ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم اس قدر ضعیف الایمان واقع ہوئی تھی کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اللہ تعالیٰ کے نبی کے ساتھ جا رہے ہیں اور نبی بھی ایسا کہ اس کے معجزات صرف معقول نہیں تھے بلکہ محسوس مبصر تھے جس سے کم عقل آدمی بھی یقین حاصل کر سکتا ہے۔ اس حالت میں ان لوگوں کو اپنی گرفتاری کا وہم تک نہ آنا چاہیے تھا۔ مگر انھوں نے لشکرِ فرعون کو دیکھتے ہی وسوسہ تو کیا یقینی طور پر کئی تاکیدات کے ساتھ حکم لگا دیا **انا لمدرکون** لفظ انّا اور لام تاکید اور جملہ اسمیہ لا کر اس یقین

کے استحکام کو ظاہر کیا۔ اب قابل غور مقام ہے کہ ایسی قوم جسے خدا اور رسول کے وعدے پر اطمینان نہ ہو اور وہ اس کے خلاف کا یقین رکھتی ہو اور اسے تین تاکیدات سے بیان کر رہی ہو یعنی یقیناً یقیناً یقیناً پکڑے لیے گئے تو ایسی قوم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی معیت اور مدد کیسے ہو سکتی ہے؟ لہٰذا موسیٰ علیہ السلام نے "انّ معی ربّی" میں بغرض حصر "معی" کو مقدم کیا اور ضمیر متکلم مفرد لائے کہ صرف میرے ہی ساتھ میرے رب کی معیت ہے، اس کی برکت سے تم بھی بچ جاؤ گے، ورنہ تم تو اس لائق ہو کہ یا فرعون کے ظلم کا شکار ہو جاؤ یا دریا میں غرق ہو جاؤ۔ مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ رب کی معیت صرف میرے ساتھ ہے، تم اس معیت کے لائق نہیں ہو۔ پس اگر ان اللّٰہ معنا فرماتے تو خلاف مقصود ہوتا۔ لہٰذا کلام بلاغت کے معیار سے بالکل گر جاتا۔

اس کے برعکس غار ثور میں صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کامل تھا اور بطور وسوسہ جو یہ لفظ زبان پر آئے کہ اگر کفار ذرا جھک کر دیکھیں تو ہمیں پکڑ سکتے ہیں، اوّلاً یہ صرف وسوسہ کے درجہ میں تھا جس پر مواخذہ نہیں۔ ثانیاً یہ کہ اس وسوسہ کا منشأ خوف علی النفس نہیں تھا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر خوف تھا، جو دلیل ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کمال محبت اور کمال ایمان کی۔ چنانچہ لاتخف کی بجائے لاتحزن اس کی وضاحت کر رہا ہے۔ اس لیے کہ خوف نفس پر ہوتا ہے اور حزن کسی محبوب چیز کے جدا ہونے پر ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خوفِ نفس نہیں تھا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جُدا ہونے کا خطرہ تھا۔

لہٰذا آپ نے "ان اللہ معنا" فرما کر واضح فرما دیا کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایمان اتنا کامل ہے کہ جیسے اللہ کی معیت میرے ساتھ ہے اسی طرح ان کے ساتھ بھی ہے۔ اگر اس موقع پر آپ "ان معی ربی" فرماتے تو مقصود ادا نہ ہوتا اور کلام میں بلاغت نہ رہتی۔

۴ حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں یہ کہنا کہ انھوں نے بددعا کے ذریعہ قوم کو تباہ کرا دیا، یہ قرآن سے بے خبری کا نتیجہ ہے۔ قرآن کریم میں اگر حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو قوم پر بڑی شفقت تھی اور کسی صورت میں بھی انھیں ان کا ہلاک ہونا پسند نہ تھا۔ چنانچہ فرماتے ہیں ﴿لا تبتئس بما کانوا یفعلون۔﴾ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نوح علیہ السلام کو قوم کی بدعملی پر دکھ ہوتا تھا جو شفقت اور محبت کی دلیل ہے۔ دشمن کی بدعملی پر دکھ نہیں ہوا کرتا بلکہ مسرت ہوتی ہے۔

ساڑھے نو سو سال تک حضرت نوح علیہ السلام ان کی بدعملی پر دکھ اُٹھاتے رہے۔ ساڑے نو سو سال کی مدت قابل

غور ہے۔ کہنے میں آسان ہے مگر اتنی مدت تک بدعملیاں دیکھتے رہنا اور اس پر غمناک ہوتے رہنا، پھر بھی صبر واستقلال کا دامن نہ چھوڑنا بہت بڑا معجزہ ہے۔ اس کے باوجود جب ان کے غرق کا حکم ہوتا ہے تو نوح علیہ السلام بہت اصرار اور الحاح سے ان کی سفارش فرماتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے ﴿لا تخاطبنی فی الذین ظلموا انهم مغرقون﴾ اس سے ثابت ہوا کہ نوح علیہ السلام نے سفارش کی تھی، جس سے روکا جارہا ہے۔ اور بلاغت کا تقاضا ہے کہ انکار کی شدت کے مطابق جواب میں شدت اور تاکید ہوتی ہے، یعنی جواب کی تاکید انکار کی تاکید پر دلیل ہوتی ہے۔ اب دیکھیے کہ ﴿لا تخاطبنی فی الذین ظلموا﴾ میں کس قدر تاکیدات ہیں۔ اوّل یہ کہ لا تشفع کی بجائے لا تخاطبنی فرمانا بڑی تاکید ہے کہ ان کے بارے میں مجھ سے کوئی بات تک مت کرو اور فی الذین ظلموا سے ان کی قباحتِ شان کو ذکر کر کے نوح علیہ السلام کو سمجھانا، پھر لفظ ان اور جملۂ اسمیہ سے مؤکد کرنا، یہ سب امور اس پر دال ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کا انکار یعنی شفاعت پر اصرار بہت شدید تھا مگر اس کے باوجود یہ شفاعت قبول نہیں ہوئی اور غرق کا حکم محکم ہوگیا۔

مگر اس کے باوجود بھی نوح علیہ السلام اس تاک میں رہے کہ کہیں سے سفارش کا کوئی موقع اور کوئی حیلہ مل سکے۔ چنانچہ اپنے بیٹے سے متعلق ذرا سی گنجائش پائی تو فوراً سفارش کر دی۔ اسے شفقتِ پدری کا خاصہ نہیں کہا جاسکتا۔ اوّلاً اس لیے کہ نبی کا تعلق ساری اُمّت کے ساتھ باپ جیسا ہوتا ہے۔ ثانیاً اس لیے کہ اولاد اگر انکار کرتی ہے تو اس پر غیظ وغضب دوسروں کی بنسبت زیادہ ہوتا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کو جب بیٹے کے انکار پر بھی اتنی شفقت تھی تو دوسروں پر تو اس سے زیادہ ہوگی۔ غرضیکہ بیٹے کی سفارش اس حیثیت سے نہیں تھی کہ وہ بیٹا ہے، بلکہ اس وجہ سے تھی کہ کسی اور کے لیے کوئی گنجائش باقی نہیں رہی تھی۔

اس کے بعد بیٹے کی سفارش میں بھی جب حضرت نوح علیہ السلام کو سخت تنبیہ کی گئی اور بار بار سفارش کرنے پر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا احتمال گزرا تو اس کے تدارک کے لیے اور اپنی رضا کو اللہ تعالیٰ کی رضا میں فنا کرنے کے لیے عرض کیا ﴿لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا﴾ پس یہ دعا اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے تھی۔

اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ نوح علیہ السلام کی بددعا ہی سے یہ عذاب آیا ہے تو کئی افراد بلکہ کئی قبائل پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بددعا کرنا بھی ثابت ہے۔ پس بددعا کرنے یا نہ کرنے کے مواقع کو انبیاء علیہم السلام ہی خوب جانتے ہیں۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت نوح علیہ السلام کے مقام پر ہوتے تو آپ بددعا فرماتے اور اگر طائف

میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ حضرت نوح علیہ السلام ہوتے تو یقیناً آپ بھی بددعا نہ فرماتے۔

فقط والحمدللہ أولا وآخرا وَالصّلٰوۃ والسّلام علی رسولہ الکرام خصوصا علی سیّدالأنام ماا ختلفت اللیالی والأیام وھو خیر ختام.

(شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی) رشید احمد (صاحب نور اللہ مرقدہ)

٨ محرم الحرام سنہ ١٣٨٧ھ یوم الاربعاء